شمارہ نمبر
616

حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ

(حصہ اول)

مثالی مجلّہ

ادارہ اشاعت علوم اسلامیہ (رجسٹرڈ)
چہلیک کچہری روڈ، ملتان۔ فون: 4549675

رجسٹرڈ نمبر
M-23

حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ

حافظ افروغ حسن

(حصہ اول)

’’خدا کی قسم! اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی رسوا نہ کرے گا۔ آپ رشتے داروں سے نیک سلوک کرتے ہیں، سچ بولتے ہیں، امانتیں ادا کرتے ہیں، بے سہارا لوگوں کا بوجھ برداشت کرتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں اور نیک کاموں میں مدد کرتے ہیں۔ آپ کے اخلاق کریمانہ ہیں۔‘‘

یہ الفاظ اپنے ادا کرنے والے کی شخصیت و سیرت، طرز فکر، تصور اخلاق، انداز معاشرت اور اس کی روحانی عظمت ظاہر کرنے کے لئے کافی ہیں۔ ان سے واضح ہوتا ہے کہ سخت پریشانی اور گھبراہٹ کے عالم میں یہ الفاظ صرف اسی کی زبان سے ادا ہو سکتے ہیں جس کا پختہ یقین ہو کہ اس کائنات کا فرمانروا اور مدبر ایک ایسی بااختیار ہستی ہے جس کی صفت رحمت اس کی تمام صفات پر غالب اور جس کی نگاہ میں انسان دوستی، خدمت خلق، صلہ رحمی، ناداروں اور بے سہاروں کی پرورش، کمزوروں اور مظلوموں کی حمایت اور مہمانوں کی تواضع اور دلجوئی جیسی صفات پسندیدہ اور قابل

ستائش ہیں۔ یہ الفاظ بے ساختہ صرف ایسی شخصیت کی زبان سے نکل سکتے ہیں جس کی سیرت اور اس کے عادات و اطوار ایسے ہی بلند پایہ کریمانہ اخلاق کے سانچے میں ڈھلے ہوئے ہوں اور ان کی قدر و منزلت اور اہمیت و عظمت اس کے قلب و روح کی گہرائیوں میں جاگزیں ہو چکی ہو۔

یہ ہیں تمام اہل ایمان کی وہ بزرگ ترین ماں جس نے فہم و فراست، تدبر و حکمت، ایثار و قربانی، وفا شعاری، خدمت و اطاعت، سلیقہ شعاری و معاملہ فہمی، محبت اور ہمدردی و دلسوزی کے وہ روشن مینار قائم کئے جن کی نورانی شعاعوں سے رہتی دنیا تک پوری انسانیت جگمگاتی رہے گی۔

اس عظیم ترین ماں نے اپنی سیرت و کردار کی پاکیزگی، حوصلہ کی بلندی، بے مثل عزیمت و استقامت اور بے بدل جرأت و ہمت کی بدولت طبقہ اناث کو وہ اعزاز و شرف عطا فرمایا کہ اسے ذلت وخواری اور بے کسی و بے بسی کے اسفل السافلین سے اٹھا کر ادب و احترام وعزت و وقار کے اوج ثریا تک پہنچا دیا۔ اب اس صنف نازک سے تعلق رکھنے والی ہر سلیم الفطرت خاتون فخر کے ساتھ سر بلند کر کے کہہ سکتی ہے کہ ''ہمارا تعلق اس طبقے سے ہے جس کی امام اور سرخیل سیدہ خدیجۃ الکبریٰؓ ہیں اور ہمیں اس امر پر ناز ہے کہ ہم ان کی روحانی بیٹیاں ہیں۔''

سیدہ خدیجۃ الکبریٰؓ بنت خویلد بن اسد قبیلہ قریش کی ایک نہایت معزز اور باوجاہت شاخ بنی اسد سے تعلق رکھتی تھیں۔ یہ خاندان اپنی شرافت و نجابت اور کاروباری معاملات میں اپنی ایمانداری اور راست روی سے عزت و شہرت کے بلند مقام پر فائز تھا۔ آپؓ کی والدہ ماجدہ کا نام فاطمہ بنت زائدہ تھا۔ علم الانساب کے

ماہرین نے سیدہ خدیجہؓ کا شجرہ نسب اس طرح بیان کیا ہے:

خدیجہؓ بنت خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی۔قصی سرور عالم ﷺ کے جد امجد تھے۔

اہل مکہ کا حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے زمانہ ہی سے سب سے اہم ذریعہ معاش تجارت تھا۔قریش کے تجارتی تعلقات اندرون عرب اور بیرون ملک بڑے وسیع اور مستحکم تھے۔سیدہ خدیجہؓ کے والد خویلد عرب کے مشہور تاجر اور قریش میں معزز اور نامور تھے۔ دولت و ثروت ان کے گھر کی کنیز تھی۔سیدہ موصوفہ نے جس ماحول میں آنکھ کھولی وہاں شرافت، دیانت و امانت اور ایفائے عہد اور احساس ذمے داری کی اخلاقی خوبیوں کے ساتھ ساتھ دولت کی ریل پیل تھی۔ ان اخلاقی خوبیوں، مادی فراوانیوں اور گھر کی تربیت اور ماحول نے ابتدائے زندگی ہی سے جود و کرم، عطا و سخا،غریب پروری و مسکین نوازی اور فراخ دلی و عالی حوصلگی جیسی اعلیٰ صفات کو ان کی طبیعت وفطرت کا لازمی حصہ بنا دیا تھا۔

حضرت قتادہؓ کے قول کے مطابق حضرت خدیجہؓ کی پہلی شادی عتیق بن عاید مخزومی سے ہوئی جس سے اولاد نہ ہوئی۔ اس کے انتقال کے بعد آپ کی شادی ابوہالہ ہند بن نباش تمیمی سے ہوئی جس سے تین لڑکے، ہند، ہالہ اور طاہر پیدا ہوئے۔ کچھ عرصے بعد ابوہالہ بھی اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔

دوسرے شوہر کی وفات کے بعد سیدہ خدیجہؓ نے اپنی تمام تر دلچسپیوں اور توجہات کا مرکز اپنے تجارتی کاروبار کو بنا لیا۔

سیدہ محترمہ اپنی عفت وحیا، پاکیزہ سیرت اور طبعیت کی شرافت کی وجہ سے قریش

میں طاہرہ کے لقب سے مشہور تھیں۔ پورے قبیلے میں ان کی دانائی اور اخلاق اوصاف کے باعث ان کا بے حد احترام کیا جاتا۔ اس کے ساتھ خالق کائنات نے ان کو حسن و جمال کی دولت سے بھی نوازا تھا۔قریش میں کوئی ان سے زیادہ مالدار نہ تھا۔ ابن سعد کے بیان کے مطابق قریش کا تجارتی قافلہ جب مکے سے روانہ ہوتا تو اس میں آدھے سے زیادہ سامان سیدہ خدیجہؓ کا ہوتا تھا۔

سیدہ طاہرہ خدیجہؓ اب بیوہ تھیں۔ اب ان کا انہماک اپنے کاروبار کی طرف تھا۔ وہ کسی مرد کو اپنا سامان تجارت مقررہ اجرت پر یا مضاربت کے اصول کے تحت حصے پر دیتیں۔ اس مقصد کے لئے انہیں ہر وقت ایسے شخص کی تلاش رہتی جو شریف النفس ہو، صادق القول ہو اور جس کی امانت و دیانت پر بھروسا کیا جا سکے۔

اس شہر مکے میں ایک نوجوان ہے جس کا تعلق قبیلہ قریش کے معزز ترین خاندان بنی ہاشم سے ہے۔ وہ جوانی ہی سے اپنے چچا سردار مکہ ابو طالب کے تجارتی کاروبار میں بطور مددگار فرائض انجام دے رہا ہے۔ اس مقصد کی خاطر وہ کئی تجارتی سفر بھی کر چکا ہے۔ اس کے سب ساتھی اس کی ہوشمندی اور معاملے کی صفائی کے معترف ہیں۔ اس کی صداقت و دیانت کے چرچے عام ہیں۔ رفتہ رفتہ یہ شہرت اپنا حلقہ وسیع کرتی جاتی ہے۔ابھی اس جوان دلربا نے اپنی عمر کی پچیسویں منزل میں قدم رکھا ہے کہ اس کی قوم یعنی قبیلہ قریش پر اس کی شرافت، دیانت و امانت، صداقت شعاری، نیک نفسی، حسن اخلاق، سنجیدگی و دانشمندی، ضبط نفس اور حلم و وقار اور سردارانہ شان کی خوبیاں نمایاں ہونے لگیں۔ اس کا غیر معمولی احترام و اعتماد اور اثر و نفوذ لوگوں میں

قائم ہوتا چلا گیا۔ یہ جوان جس کا مردانہ حسن دلکش مگر پُر رعب تھا اور جس کی جوانی ہر قسم کے داغ سے پاک تھی، محمد ﷺ بن عبداللہ بن عبدالمطلب تھا۔

ابن سعد نے طبقات میں محمد بن عقیل کی یہ روایت نقل کی ہے کہ ابوطالب نے حضرت خدیجہؓ سے جا کر کہا کہ اے خدیجہؓ! کیا تم یہ پسند کروگی کہ اپنی تجارت کے لئے کسی اور کی خدمات حاصل کرنے کے بجائے محمد ﷺ سے معاملہ کرلو۔ انہوں نے جواب دیا کہ آپ اگر کسی دُور کے ناپسندیدہ آدمی کے لئے بھی فرماتے تو بھی میں مان لیتی آپ تو اس شخص کے لئے کہہ رہے ہیں جو بہت قریبی ہے۔ لیکن علامہ ابن اثیر نے اپنی الکامِل میں بیان کیا ہے کہ جب سیدہ خدیجہؓ کو آنحضور ﷺ کے اخلاق و کردار کے متعلق معلوم ہوا تو انہوں نے خود ایک آدمی کے ذریعے آپ ﷺ کے پاس پیغام بھیجا کہ اگر آپ میرا سامان تجارت لے کر شام کی طرف تشریف لے جائیں تو میں دوسروں کے مقابلے میں آپ کو دوگنا معاوضہ دوں گی۔ آپ ﷺ نے سیدہ خدیجہؓ کی یہ پیشکش قبول کر لی۔

ہمارے نزدیک ابن اثیر کی روایت زیادہ قابل قبول اور لائق ترجیح ہے۔ سیدہ طاہرہ خدیجہؓ رشتے میں آپ ﷺ کی چچازاد بہن تھیں۔ اتنے قریبی تعلق کے ہوتے ہوئے یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ آپ ﷺ کے حالات و واقعات اور آپ ﷺ کی شہرت سے ناواقف اور اپنے کاروبار کی ترقی و فروغ کے لئے آپ ﷺ کی خدمات حاصل کرنے کی خواہاں اور اس کے لئے کوشاں نہ ہوں۔

علامہ ابن اثیر نے آنحضور ﷺ کے اس تجارتی سفر کی روداد بڑی تفصیل سے بیان

کی ہے جس کا خلاصہ درج ذیل ہے:

آنحضور ﷺ سیدہ خدیجہؓ کے غلام میسرہ کے ساتھ سامان تجارت لے کر شام کی طرف روانہ ہوئے۔ آپ ﷺ کے چچا ابوطالب نے قافلے والوں کو آپ ﷺ کے خیال ونگہداشت کی خاص طور پر تاکید کر دی تھی۔ بالآخر آپ ﷺ شام میں بمقام بصریٰ فروکش ہوئے اور ایک درخت کے زیر سایہ آرام پذیر ہوئے۔ پاس ہی ایک صومعہ تھا جس میں نسطورا نامی راہب عبادت میں مصروف رہتا تھا۔ راہب نے کھڑکی سے سر نکالا اور جھک کر میسرہ سے پوچھا: ''درخت کے سائے میں یہ کون صاحب آرام فرما رہے ہیں؟'' میسرہ نے جواب دیا: ''قریشی ہیں''۔ راہب نے پھر دریافت کیا: ''کیا اس کی آنکھ میں سرخی ہے؟'' میسرہ نے کہا: ''ہاں! اور وہ سرخی کبھی دور نہیں ہوئی''۔ یہ سن کر راہب بولا: ''بلاشبہ یہ نبی اور آخری نبی ...... کیونکہ اس درخت کے نیچے سوائے نبی کے اور کوئی نہیں اترا۔''

راستے میں میسرہ دیکھتا جاتا تھا کہ جب دوپہر کے وقت گرمی سخت ہوتی تو دو فرشتے آپ ﷺ پر سایہ کیئے رہتے۔ میسرہ یہ سب باتیں اپنے ذہن میں محفوظ کرتا رہا۔ سامان تجارت فروخت ہوا جس میں خلاف توقع بہت زیادہ منافع ہوا۔ جب آپ ﷺ واپس مکے تشریف لائے تو میسرہ نے وہ تمام باتیں جو دیکھی اور سنی تھیں سیدہ خدیجہؓ سے بیان کیں۔ جب سیدہ خدیجہؓ نے دیکھا کہ ان کے کاروبار میں بہت زیادہ نفع ہوا ہے تو انہوں نے آپ ﷺ کو معین شدہ اجرت سے دگنی رقم دی۔

حافظ ابونعیم اصفہانی نے اپنی کتاب دلائل النبوۃ میں یہ روایت بیان کی ہے کہ

شام کے سفر سے جب یہ قافلہ مکے پہنچا تو دوپہر کا وقت تھا۔ سیدہ خدیجہؓ اس وقت اپنے گھر کی بالائی منزل پر تھیں۔ انہوں نے بھی دیکھا کہ حضور ﷺ اپنے اونٹ پر سوار چلے آرہے ہیں اور دو فرشتے آپ ﷺ پر سایہ کئے ہوئے ہیں۔

ابن اثیر کے قول کے مطابق قریش کا ہر وہ شخص جو نکاح کے قابل تھا، سیدہ خدیجہؓ سے نکاح کا خواہشمند تھا۔ مکے کے اکثر نامور اور بااثر سرداروں نے اپنی اس خواہش کو باضابطہ طور پر آپؓ کی خدمت میں پہنچایا بھی لیکن آپؓ نے قبول کرنے سے انکار کر دیا کیونکہ عمر کی پختگی، ذہن وشعور کی پاکیزگی اور اخلاق و روح کی بلندی نے اب آپ کے سامنے انسانیت کا جو بلند معیار قائم کر دیا تھا، وہ ان روسائے قریش میں مفقود تھا لیکن جب محمد ﷺ جو اپنی قوم میں صادق اور امین کے القابات و خطابات سے معروف ومشہور تھے کی مبارک، دل پسند اور مقدس صورت سیدہ موصوفہ کے مشاہدے میں آئی تو وہ پہلی نظر ہی میں پہچان گئیں کہ یہ ہے میرا گوہر مقصود و مطلوب، چنانچہ انہوں نے آپ ﷺ کے ساتھ نکاح کرنے کا فیصلہ کر لیا...... علامہ شبلیؒ کی تحقیق کے مطابق اس وقت کے عرب معاشرے میں عورت اپنے نکاح کا معاملہ خود طے کرنے کی مجاز تھی خواہ وہ بالغہ ہو یا نابالغہ، بیوہ ہو یا باکرہ۔ اس لئے سیدہ نے یہ اہم معاملہ فوری طور پر خود ہی پایہ تکمیل تک پہنچانے کا عزم بالجزم کر لیا۔

ابن سعد کی روایت کے مطابق سیدہ موصوفہ نے اپنی قابل اعتماد سہیلی نفیسہ کو آپ ﷺ کی رائے معلوم کرنے کے لئے آپ ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔ نفیسہ اور آپ ﷺ کے درمیان جو گفتگو ہوئی، وہ کچھ اس طرح ہے:

نفیسہ: اے محمد! (ﷺ) آپ شادی کیوں نہیں کر لیتے ؟

محمد: (ﷺ) میرے پاس رکھا ہی کیا ہے جو میں شادی کروں۔

نفیسہ: اس کا انتظام ہو گیا ہے۔ آپ کو ایسی جگہ شادی کرنے کی دعوت دی جا رہی ہے جہاں جمال بھی ہے اور مال بھی۔ شرف بھی ہے اور قابلیت بھی۔ کیا آپ اسے قبول کریں گے؟

محمد: (ﷺ) وہ کون ہے؟

نفیسہ: وہ ہے میری قابل احترام سہیلی خدیجہؓ۔

محمد: (ﷺ) میری ان سے شادی کیسے ہو سکتی ہے؟

نفیسہ: اسے آپ میرے اوپر چھوڑ دیں۔

محمد: (ﷺ) اگر یہ بات ہے تو میں تیار ہوں۔

ابن سعد کی مذکورہ بالا روایت کے ساتھ ساتھ ابن سحٰق کی وہ روایت جسے ابن ہشام نے نقل کیا ہے صورت حال اور معاملے کی نوعیت اور سیدہ خدیجہؓ کی قلبی کیفیت کو واضح کرنے کے لئے بڑی مفید اور مددگار ہے۔ اس روایت کے مطابق سیدہ خدیجہؓ نے خود حضور ﷺ سے براہ راست بات کی اور کہا: ’’اے ابن عم! آپ سے میری رشتہ داری بھی ہے اور میں آپ کی امانت و صداقت، حسن خلق و شرافت نسبی اور اوصاف حمیدہ کی وجہ سے بھی چاہتی ہوں کہ آپ سے شادی کرلوں۔‘‘

یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہئے کہ اس دور میں پردے کا رواج تھا نہ عورتوں کا مردوں کے ساتھ براہ راست بات چیت کرنا کوئی اخلاقی و معاشرتی برائی سمجھی جاتی

تھی۔ باہمی رضامندی کے مراحل طے ہو جانے کے بعد سیدہ خدیجہؓ نے پیغام بھجوایا کہ فلاں وقت اپنے خاندان کے بزرگوں کو ساتھ لے کر نکاح کے لئے تشریف لے آیئے، چنانچہ حضور ﷺ اپنے چچاؤں اور بزرگ رشتہ داروں کے ساتھ، جن میں ابو طالب اور حضرت حمزہؓ بھی شامل تھے، وقت مقررہ پر سیدہ خدیجہؓ کے مکان پر پہنچ گئے۔ سیدہ کی طرف سے ان کے چچا عمرو بن اسد نے ولایت کے فرائض انجام دیئے۔ نکاح ابوطالب نے پڑھایا۔ حضور ﷺ نے مہر میں اکثر روایات کے مطابق بیس اونٹ اور بعض روایت کے مطابق چار سو طلائی دینار اسی وقت ادا کیئے۔ علامہ ابن عبدالبر کا بیان ہے کہ شادی کی یہ قریب شام کے سفر سے واپسی کے دو ماہ پچیس دن بعد ہوئی۔ حضور ﷺ کی عمر اس وقت پچیس سال اور سیدہ خدیجہؓ کی عمر چالیس برس تھی۔

شادی کی تقریب کے موقع پر جس میں تمام قابل ذکر روسائے مکہ اور سرداران قریش شریک تھے، حضرت ابوطالب نے ایک فصیح و بلیغ خطبہ دیا اور اس کے جواب میں ورقہ بن نوفل نے بھی جوابی کلمات کہے۔ ہم ان کے کچھ اقتباسات محمد رضا مصری کی کتاب ''محمدؐ'' سے یہاں پیش کرتے ہیں۔

حضرت ابوطالب اپنے خطبے میں حمد و ثنا کے بعد فرماتے ہیں:

''یہ میرا بھتیجا، محمد بن عبداللہ جس کا عقل و شرافت اور فضل و شرافت میں کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا اگرچہ وہ دولت مند نہیں لیکن مال کا کیا ہے؟ وہ ایک ناپائیدار چیز اور ڈھلتا ہوا سایہ ہے۔ تو میرے اس محمدؐ نے جس کا جو رشتہ مجھ سے ہے اس سے آپ سب واقف ہیں، خدیجہؓ بنت خویلد سے نکاح کا ارادہ کیا ہے اور خدا کی قسم!

اس کے بعد وہ مستقبل میں ''عظیم خیر'' اور شان جلیل کا مالک ہوگا۔''

حضرت ابوطالب کے بعد سیدہ خدیجہؓ کے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل نے خطبہ دیتے ہوئے کہا:

''حمد ہے اس خدا کی جس نے ہم کو ان فضائل و مناقب کا مالک بنایا جس کا ذکر ابوطالب نے کیا۔ ہم ہی ہیں سرداران عرب اور قائدین عرب اور ایسے ہی تم بھی ہو۔ کوئی قبیلہ بھی تمہارے فضل سے انکار اور کوئی شخص بھی تمہارے فخر و شرف کی تردید نہیں کرسکتا۔ ہم نے چاہا کہ تمہارے رشتہ شرف سے ہمیں بھی تعلق ہو...... پس اے گروہ قریش! گواہ رہو کہ میں نے خدیجہؓ بن خویلد کا نکاح محمد بن عبداللہ سے اتنے مہر پر کر دیا۔''

شادی کی اس تقریب کی خوشی کا اظہار ام المومنین سیدہ طاہرہ خدیجۃ الکبریٰؓ کے مکان پر ان کی سہیلیوں نے دف بجا کر کیا۔ حضور ﷺ نے ولیمہ کی تقریب کا انتظام کیا جس کے لئے بعض روایات کے مطابق دو اونٹ ذبح کئے گئے۔

شادی کا یہ مبارک موقع قرآن السعدین تھا صداقت و امانت اور طہارت و سیادت کا جس کے انوار و برکات نے پورا ماحول روشن اور منور کر دیا۔

شادی کے بعد محمد ﷺ نے اپنی اقامت سیدہ کے مکان پر ہی اختیار کر لی۔ اب موصوفہ کا یہ مکان باہمی محبت و ہمدردی اور خیر خواہی و دلجوئی کا ایک ایسا گہوارہ اور امن وسلامتی کا ایسا مسکن بن گیا تھا جس پر بہشت بریں کی بہاریں بھی رشک کرنے لگیں۔

ام المومنین سیدہ خدیجہؓ نے اپنے محبوب شوہر کی بارگاہ عقیدت میں اپنی محبت و وفا کا نذرانہ کچھ اس انداز سے پیش کیا کہ دوئی اور من و تو کے تمام امتیازات یکسر ختم ہو

گئے۔ یگانگت و ہم آہنگی اور موانست و ملاطفت کی ایسی سہانی اور دل موہ لینے والی فضا قائم ہوئی جس کی نظیر محبت و الفت اور تعاون و اعتماد کی پوری دنیا میں ملنی محال ہے۔

قابل احترام سیدہ کے تجارتی کاروبار کا سلسلہ بدستور جاری رہا۔ آنحضور ﷺ نے بھی کئی تجارتی سفر کئے۔ امام ذہبی اور امام حاکم نے یمن کے مشہور مقام جرش کی طرف آپ ﷺ کے دو سفروں کا ذکر کیا ہے۔ اسی طرح مسند احمد میں یہ روایت مذکور ہے کہ جب مدینہ منورہ میں عرب کے مشرقی ساحلی علاقے جسے اس زمانے میں بحرین کہا جاتا تھا، عبدالقیس کا وفد آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ ﷺ نے وہاں کے ایک ایک مقام کا نام لے کر اس کا حال پوچھا۔ اس پر لوگوں نے تعجب کا اظہار کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: میں تمہارے ملک میں خوب پھرا ہوں۔

ام المومنین سیدہ خدیجہؓ کی سچی رفاقت اور ان کے وسیع ترین تجارتی کاروبار میں آنحضور ﷺ کی مخلصانہ، معاونت نے آپ ﷺ کی مالی حالت میں ایک انقلاب عظیم برپا کر دیا جس کے باعث آپ ﷺ کی سماجی حیثیت میں کئی گناہ اضافہ ہوا۔

معاشرے کے پسے ہوئے طبقے کی خبر گیری اور دلسوزی جو آپ ﷺ کی عادت، طبیعت اور شخصیت کی ایک اہم خصوصیت تھی، اب اس نے ایک تلاطم خیز دریا کی صورت اختیار کر لی۔ سیدہ خدیجہؓ کا گھر، جو اب اس شخصیت کا بھی تھا جو اپنی ذات اور سیرت کے لحاظ سے دکھی انسانیت کے لئے مداوا اور بے سہاروں کے لئے سہارا تھی، غریبوں، مسکینوں، ناداروں اور بے کسوں کا ملجا و ماویٰ بن گیا۔ یہاں ضرورت مندوں کی ضرورتیں پوری ہوتیں، بے سہاروں کو سہارا ملتا، بے نواؤں کی فریادسنی

جاتی، یتیموں اور بیواؤں کی اعانت ہوتی۔ یہ تھا مسلمانوں کی سب سے بڑی ماں کا گھر جس کا چشمہ فیض ہر وقت رواں دواں تھا۔

حلیمہ سعدیہ جس نے بچپن میں حضور ﷺ کو دودھ پلایا تھا، وہ ایک مرتبہ آپ ﷺ کے پاس آئیں۔ اس وقت آپ ﷺ کی سیدہ خدیجہؓ سے شادی ہو چکی تھی۔ حلیمہ سعدیہ نے شکایت کی کہ قحط سالی نے انہیں بری طرح تباہ و برباد کر دیا ہے اور ان کے تمام مویشی ہلاک ہو چکے ہیں۔ آپ ﷺ نے ان کو چالیس بکریاں اور سامان سے لدا ہوا ایک اونٹ مرحمت فرمایا۔ ابولہب کی ایک لونڈی کا نام ثوبیہ تھا۔ اس نے بھی چند روز حضور ﷺ کو دودھ پلایا تھا۔ آپ ﷺ اس سے ہمیشہ حسن سلوک سے پیش آتے۔ سیدہ خدیجہؓ آپ ﷺ سے شادی کے بعد ان کی بڑی عزت و تکریم کرتیں۔ سیدہ نے بارہا کوشش کی کہ ثوبیہ کو ابولہب سے خرید کر آزاد کر دیں مگر ابولہب نہیں مانا، تاہم بعد میں اس نے خود ہی اسے آزاد کر دیا۔ ام المومنین سیدہ طاہرہ خدیجہؓ نے اپنی حکیمانہ فراست اور دونوں خاندانوں کے متعلقین کے ساتھ اخلاق و ایثار پر مبنی خوشگوار تعلقات کے ذریعہ گھر میں ایسا پاکیزہ، دلآویز اور فرحت بخش ماحول پیدا کر دیا تھا کہ جو ایک بار اس سے وابستہ ہو گیا ہمیشہ کے لئے اس کا ہو کر رہ گیا۔

حضور ﷺ اپنی خانگی اور کاروباری ذمہ داریاں بڑی خوش اسلوبی سے نبھاتے رہے۔ پورا معاشرہ آپ ﷺ کی اخلاقی برتری اور آپ ﷺ کے حسن تدبر کا معترف تھا لیکن قدرت نے آپ ﷺ کو جسم صحت مند اور ذہن ارجمند کے ساتھ دل دردمند بھی عطا فرمایا تھا۔ آپ ﷺ اپنی قوم کی جہالت اور جاہلیت دیکھ کر کڑھتے رہتے۔ آپ ﷺ کے سامنے بے جان اور بے وقعت بتوں کی پرستش ہوتی۔ شرک اور مشرکانہ اوہام

و رسوم کا دور دورہ تھا۔ معاشرے میں ظلم و فساد عام تھا۔ بے بس اور بے سہارا لوگ زور آوروں کی زیادتیوں کی چکی میں پس رہے تھے۔ بے حیائی، بے شرمی اور بداخلاقی ہر طرف پھیلی ہوئی تھی۔ لڑکیاں زندہ دفن کی جا رہی تھیں۔ قبیلوں پر قبیلے چھاپے مار رہے تھے۔ کسی کی جان، مال اور آبرو محفوظ نہ تھی۔ یہ پریشان کن اور اندوہناک حالات آپ ﷺ کی حساس طبیعت کے لئے ناقابل برداشت بوجھ ثابت ہو رہے تھے۔ آپ ﷺ کے غم و اندوہ اور فکر و پریشانی میں یہ بات ہر لمحہ مزید اضافہ کئے جا رہی تھی کہ آپ ﷺ کو اصلاح کی صورت نظر نہ آتی تھی۔ اس گہرے سوچ بچار نے آپ ﷺ کی طبیعت کو خلوت گزینی کی طرف مائل کر دیا، چناں چہ آپ ﷺ مکے سے تین میل دور ایک غار میں تشریف لے جاتے اور وہاں مسلسل کئی دن غور و خوض اور عبادت و مراقبے میں گزار دیتے۔

ایک وفادار اور غم گسار بیوی کے لئے اپنے محترم شوہر کی طبیعت اور مزاج میں یہ تبدیلی سخت پریشانی اور تشویش کا موجب بن جاتی ہے۔ مختلف قسم کے اندیشے اور خطرات اس کے قلبی سکون اور ذہنی توازن کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیتے ہیں، مگر ام المومنین سیدہ خدیجہؓ جو اپنے مایہ ناز شوہر کے مزاج کی سلامتی، ذوق کی پاکیزگی اور طبیعت کی استواری سے بخوبی واقف تھیں، پریشان ہوتی ہیں نہ کسی تشویش کا اظہار کرتی ہیں اور پوری یکسوئی اور دلجمعی کے ساتھ اپنے خاوند کی دلجوئی، خدمت گزاری اور وفا شعاری کا فریضہ انجام دیئے چلی جاتی ہیں۔ حضور ﷺ کھانے پینے کا سامان ساتھ لے کر غار حرا میں تشریف لے جاتے اور چند روز وہاں گزارتے۔ جب سامان

ختم ہو جاتا تو گھر تشریف لے آتے۔ سیدہ خدیجہؓ پھر چند روز کا سامان مہیا کر دیتیں اور یہ سلسلہ کئی سال تک جاری رہا۔

آخر کار رمضان المبارک عام الفیل 40 کی ایک رات جب آپ ﷺ غار حرا میں مصروف عبادت تھے اور آپ ﷺ کی عمر مبارک چالیس برس اور چھ ماہ تھی تو انسانی تاریخ کا وہ اہم اور عظیم الشان واقعہ پیش آیا جس نے تقدیر عالم کا رخ بدل کر رکھ دیا۔ آپ ﷺ پر پہلی وحی نازل ہوئی۔

پہلی وحی کے نزول کی تفصیل، جو ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے خود آنحضور ﷺ کی زبان سے سن کر آپ ﷺ کے الفاظ میں بیان فرمائی ہے، وہ اس طرح ہے:

''ایک فرشتہ میرے سامنے آیا۔ اس نے کہا: ''پڑھو'' میں نے کہا میں تو پڑھا ہوا نہیں۔ اس پر فرشتے نے مجھے پکڑ کر بھینچا یہاں تک کہ میری قوت برداشت جواب دینے لگی۔ پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا: ''پڑھو''۔ میں نے کہا: ''میں تو پڑھا ہوا نہیں۔'' اس نے دوبارہ مجھے بھینچا اور میری قوت برداشت جواب دینے لگی۔ پھر اس نے مجھے کہا: ''پڑھو''۔ پھر میں نے کہا: ''میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔'' اس نے تیسری دفعہ مجھے بھینچا یہاں تک کہ میری قوت برداشت جواب دینے لگی اور پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا:

''پڑھو! (اے نبی ﷺ) اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا ہے۔ جمے ہوئے خون کے ایک لوتھڑے سے انسان کی تخلیق کی۔ پڑھو اور تمہارا رب بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعے سے علم سکھایا۔ انسان کو وہ علم دیا جسے وہ نہیں جانتا۔'' (سورہ علق آیت 1 تا 5)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اس انوکھے تجربے اور واقعے سے رسول اللہ ﷺ پر ایک عجیب کیفیت طاری ہوگئی۔ آپ ﷺ کانپتے لرزتے گھر تشریف لائے اور حضرت خدیجہؓ سے کہنے لگے: ''مجھے کمبل اوڑھاؤ''۔ چنانچہ آپ ﷺ کو کمبل اوڑھا دیا گیا۔ جب خوف و حیرت کی یہ کیفیت ذرا کم ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے خدیجہؓ! مجھے یہ کیا ہوگیا ہے؟'' اور پھر سارا واقعہ ان کو سنایا اور کہا ''مجھے اپنی جان سے ڈر ہے۔''

ام المومنین سیدہ خدیجۃ الکبریٰؓ جو ذہانت و فطانت اور فراست و معاملہ فہمی کے اعلیٰ ترین مقام پر فائز تھیں اور آنحضور ﷺ کے اخلاق کریمانہ، ذہنی رفعت اور روحانی شرف وعظمت سے بخوبی آگاہ تھیں، معاملے کی حقیقت فوراً سمجھ جاتی ہیں اور آپ ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرماتی ہیں:

''ہرگز نہیں! آپ خوش ہو جایئے۔ خدا کی قسم! اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو کبھی رسوا نہ کرے گا۔ آپ ﷺ رشتے داروں سے نیک سلوک کرتے ہیں، سچ بولتے ہیں، امانتیں ادا کرتے ہیں۔ بے سہارا لوگوں کا بوجھ برداشت کرتے ہیں۔ نادار لوگوں کو کما کر دیتے ہیں۔''

اس کے بعد حضرت خدیجہؓ آپ ﷺ کو اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے جاتی ہیں جو بت پرستی چھوڑ کر عیسائیت قبول کر چکے تھے۔ عربی اور عبرانی کے جید عالم تھے۔ انجیل کی کتابت کرتے تھے لیکن اس وقت بہت ضعیف اور نابینا ہو چکے تھے۔ ورقہ بن نوفل نے سارا ماجرا سن کر ابونعیم اصفہانی کی روایت کے مطابق کہا:

''یہ وہی عالم بالا سے وحی لانے والا فرشتہ ہے جو حضرت موسیٰ کے پاس بھی وحی

لے کر آیا تھا ...... کاش! میں آپ ﷺ کے زمانہ نبوت میں قوی ہوتا۔ کاش! میں اس وقت تک زندہ رہوں جب آپ ﷺ کی قوم آپ ﷺ کوشہر سے نکالے گی۔''

یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کیا یہ لوگ مجھے نکال دیں گے؟'' اس پر ورقہ نے کہا:

''ہاں! کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کوئی شخص وہ چیز لے کر آیا ہو جو آپ ﷺ لائے ہیں اور اس سے دشمنی نہ کی گئی ہو۔ اگر میں نے آپ ﷺ کا وہ زمانہ پایا تو میں آپ کی پُرزور مدد کروں گا۔''

اس عظیم اور غیر معمولی تجربے سے آپ ﷺ پر وہی کیفیت طاری ہوئی جو لا محالہ ایسے مواقع پر کسی انسان پر طاری ہونی چاہیے۔ آپ ﷺ کی یہ پریشانی، گھبراہٹ اور خلجان کا نتیجہ تھا ان بے شمار سوالات اور خطرات کا جو آپ ﷺ کے ذہن مبارک میں اس وقت پیدا ہو رہے تھے اور تلاطم خیز موجوں کی طرح پے در پے اٹھ رہے تھے۔ کیا واقعی میں نبی بنا دیا گیا ہوں؟ کہیں مجھے سخت آزمائش میں تو نہیں ڈال دیا گیا؟ یہ بارِ عظمیٰ آخر میں کیسے اٹھاؤں گا؟ لوگوں سے کیسے کہوں گا کہ میں تمہاری طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں ؟ لوگ میرے یہ بات کیسے مان لیں گے؟ جس معاشرے میں آج تک عزت و وقار سے رہا ہوں اب اس معاشرے کے لوگ میرا مزاق اڑائیں گے، دیوانہ کہیں گے۔ اس جاہلیت کے ماحول سے آخر کیسے لڑ سکوں گا؟

اس مضمون کی دوسری قسط گلے ماہ۔ انشاء اللہ

❀ ❀ ❀

حکایاتِ رومی

وہ شفیق نبی ﷺ جس نے اپنی جان اور مال سب کچھ ہم تک دین پہنچانے کے لیے قربان کر دیا آج ہم ان قربانیوں کی کتنی قدر کرتے ہیں؟ کیا ہماری ساری محبتیں اور دعوے زبانی جمع خرچ نہیں ہیں؟ نبی ﷺ کا فرمان ہے کہ سارے مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں، کیا ہم نے اس پر کبھی عمل کرنے کی کوشش کی؟ نبی ﷺ کا فرمان ہے کہ میری بات دوسروں تک پہنچاؤ چاہے وہ ایک آیت ہی کیوں نہ ہو۔کیا ہم نے کسی کو بھی دین کی کوئی بات سمجھانے کی کوشش کی ہے؟